

## ملی نغمہ

شعر 1

خدا کرے میری ارضِ پاک پر اترے وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو

فنی محاسن: 1- ارضِ پاک: تلمیح جو پاکستان کی سر زمین کی طرف اشارہ ہے (2) وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو: صنعتِ مبالغہ کیونکہ کسی چیز کا کبھی نہ ختم ہونا ایک مثالی تصور ہے (3) فصلِ گل: تشبیہ فصلِ گل کو خوش حالی اور ترقی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (4) اندیشہ زوال: ترکیب

تشریح: احمد ندیم قاسمی کا یہ شعر ایک دعائیہ شعر ہے وطن اور دھرتی سے محبت انسان کے خمیر میں شامل ہوتا ہے احمد ندیم قاسمی کا یہ شعر بھی اسی محبت کا عکاس ہے۔ اس شعر میں شاعر نے پاکستان کے لیے "ارضِ پاک" کی تلمیح استعمال کی ہے اور "فصلِ گل" کو بطور تشبیہ استعمال کیا ہے۔ اس شعر میں احمد ندیم قاسمی نے اپنے وطن کے لیے دائمی خوشحالی کی دعا کی ہے انھوں نے "ارضِ پاک" کو ایک ایسی زمین کے طور پر پیش کیا ہے جسے اللہ کی خاص رحمت حاصل ہے اور جس میں ہر طرف خوشی اور خوشحالی ہے شاعر کی دعا ہے کہ اس خوشحالی پر کبھی زوال نہ آئے یہ ایک بہت بڑی دعا ہے کیونکہ حقیقت میں ہر چیز کو زوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر شاعر نے یہاں مثالی اور ابدی خوشحالی کی امید کی ہے شاعر نے اس شعر میں پاکستان کے لیے ایک بہت ہی مثبت اور روشن مستقبل کی تصویر کشی کی ہے بقول شاعر:

ہم دیکھیں گے

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے

وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے

جو لوحِ ازل میں لکھا ہے

تشریح: طلب شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میرے پیارے وطن پاکستان میں ایسی بہار آئے جو کبھی ختم نہ ہو موسمِ بہار سے مراد ترقی و خوشحالی ہے شاعر وطن کی ترقی اور خوشحالی کی دعا کر رہا ہے وہ ایسی سلامتی اور امن چاہتا ہے کہ جو کبھی ختم نہ ہو تاکہ پیارا وطن پاکستان کا مقام دوسرے ممالک کی نظروں میں بلند ہو۔ شاعر اپنے وطن کو ترقی کی راہ پر دیکھنا چاہتا ہے اس لیے وہ اللہ سے دعا کر رہا ہے کہ میرا وطن ہمیشہ قائم و دائم رہے کیونکہ یہ وطن ہم نے بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ بقول شاعر:

اس زمین کی مٹی میں خون ہے شہیدوں کا ارضِ پاک مرکز ہے قوم کی امیدوں کا

یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

شعر 2

فنی محاسن: پھول: خوش حالی اور کامیابی کا استعارہ، (2) پھول اور خزاں: صنعت تضاد یعنی خوشحالی اور بربادی کے درمیان فرق (3) مجال نہ ہو: صنعتِ مبالغہ (4) خزاں: استعارہ (بربادی یا تنزلی کا)

تشریح: احمد ندیم قاسمی کا یہ شعر ان کی وطن سے محبت، امیدوں اور دعاؤں کا آئینہ دار ہے۔ یہ شعر پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کی دعا اور امیدوں کا عکاس ہے شاعر کی دعا ہے کہ یہاں جو بھی کامیابیاں اور خوشیاں آئیں وہ دائمی ہوں اور ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور یہاں کبھی بھی مصیبتیں اور مشکلات (خزاں) نہ آئیں اور خوشحالی اور ترقی کی فضا قائم رہے یہ شعر ایک مثالی تصویر پیش کرتا ہے جہاں پاکستان میں ہمیشہ بہار رہے اور کبھی بھی خزاں نہ آئے۔ اس شعر میں شاعر نے ملک کے لیے بہترین مستقبل کی دعا کی ہے

شعر 3

یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

تشریح: شاعر نے اس شعر میں "سبزہ" کو خوشحالی کا استعارہ اور صنعتِ مبالغہ استعمال کر کے اپنے جذبات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا یہ شعر ان کی وطن سے محبت اور امیدوں کا آئینہ دار ہے۔ یہ شعر پاکستان کی خوشحالی کی دعا اور امیدوں کا عکاس ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ یہاں جو بھی ہریالی، تازگی اور خوشحالی آئے وہ دائمی ہو۔ شاعر کی یہ دعا ہر پاکستانی کے دل کی آواز ہے کیونکہ ہر انسان اپنے وطن کے لیے خوش حالی اور ترقی کی دعا کرتا ہے شاعر نے دعا کی ہے کہ پاکستان کی خوش حالی اتنی عظیم ہو کہ دنیا میں کہیں اور نظیر نہ ملے۔ یعنی پاکستان کی سر زمین پر ایسی شادابی ہو جو دنیا میں کہیں اور نہ ملے۔ بقول شاعر:

نثار میں تیری گلیوں کے، اے وطن کہ جہاں چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

گھنی گھٹائیں یہاں ایسی برسائیں کہ پتھروں سے روئیدگی محال نہ ہو

تشریح: اس شعر میں "گھنی گھٹائیں" ایک استعارے کے طور پر استعمال ہوئی ہیں۔ جسے شاعر نے کثرت بارش کے لیے استعمال کیا ہے شاعر دعا کر رہا ہے کہ پاکستان کی سر زمین پر آئے ایسے بادل آئیں جو بہت زیادہ بارش برسائیں اور ایسے بادلوں کی برسات کی وجہ سے پاکستان کی سر زمین مکمل طور پر سیراب ہو۔ شاعر کی یہ دعا ہر پاکستانی کے دل کی آواز ہو سکتی ہے دوسرے مصرعے میں بھی شاعر نے دعا کی ہے کہ اللہ پاکستان میں اتنی برکتیں نازل فرمائے کہ پتھر پلے زمین میں بھی سبزہ اگنے لگے۔ یعنی پاکستان میں ایسی زرخیزی ہو جو دنیا میں کہیں نہ ملے۔ شاعر نے اس شعر میں صنعتِ مبالغہ کا استعمال کر کے اپنے جذبات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کی دعا ایک مثالی اور غیر معمولی حالت کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں پتھر پلے زمین بھی زرخیز ہو جائے اور پھل، پھول اور پودے آگ جائیں اور وہ بھی سرسبز و شاداب ہو کر میرے وطن کی عزت کو چار چاند لگائیں شاعر کا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ ترقی نہیں کر پا رہے ان کے لیے ایسا سازگار ماحول ہو کہ وہ بھی ترقی کریں۔ جس طرح زیادہ بارشوں سے پتھروں میں پھول کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح روزگار کے زیادہ مواقع ملنے سے غریب گھرانے بھی ترقی کرتے ہیں۔ بقول شاعر:

ہم بھی تیرے بیٹے ہیں ذرا دیکھ ہمیں بھی اے خاک وطن تجھ سے شکایت نہیں کرتے

شعر 5 خدا کرے کہ وقار اس کا غیر فانی ہو اور اس کے تشویش حسن کو ماہ سال نہ ہو

تشریح: اس شعر میں شاعر نے "وقار" اور "حسن" کو پاکستان کی عظمت اور خوبصورتی کے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ پاکستان کی عظمت اور شان برقرار ہمیشہ برقرار رہے اور اس کا وقار غیر فانی ہو۔ یہ دعا ہر پاکستانی کی خواہش ہو سکتی ہے کہ اس کا ملک دنیا کے نقشہ پر ہمیشہ چمکتا رہے اور ان کے ملک کی عظمت اور شان و شوکت دائمی ہو اور کبھی ختم نہ ہو اور ساتھ ہی شاعر دوسرے مصرعے میں یہ دعا بھی کر رہا ہے کہ اللہ پاکستان کی خوبصورتی کو وقت کی گردش سے محفوظ رکھے اس شعر میں بھی شاعر نے صنعتِ مبالغہ کا استعمال کر کے ایک مثالی حالت کی تصویر کشی کی ہے۔ کہ سال مہینے گزر جانے سے بھی پاکستان کی خوبصورتی عزت اور وقار میں فرق نہ آئے۔ وطن کے تمام شہری اس کے وقار کے منافی کوئی کام نہ کریں اور زمانے کا کوئی منفی اثر اس پر اثر نہ کرے۔ بلکہ گزرے ہوئے ماہ و سال اس کی خوبصورتی میں اضافے کا سبب بنیں۔ بقول شاعر:

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ دیر اس سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

شعر 6 ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا ادبِ کمال کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

تشریح: اس شعر میں بھی شاعر نے "تہذیب" اور "فن" کو استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے جنہیں شاعر نے معاشرتی اور ثقافتی ترقی اور تخلیقی صلاحیتوں کے لیے استعمال کیا ہے پہلے مصرعے میں شاعر نے اپنے ملک کے لیے دعا کی ہے کہ وہ تہذیب اور ہر قسم کے فن میں اعلیٰ درجے پر ہو۔ پاکستان کا ہر شہری کو اعلیٰ تہذیب اور فن میں کمال حاصل کرے، پاکستان کا ہر شہری اپنے ہنر اور صلاحیتوں میں اعلیٰ مقام حاصل کرے اور دنیا میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائے۔ دوسرے مصرعے میں شاعر نے دعا کی ہے کہ پاکستان کا کوئی بھی فرد غمگین یا بد حال نہ ہو۔ پاکستان کی سر زمین پر ہر شخص خوش حال ہو اور کسی کو غم یا بد حالی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس شعر میں بھی شاعر نے صنعتِ مبالغہ کا استعمال کر کے اپنے جذبات کا خوبصورتی سے اظہار کیا ہے۔ اس شعر میں شاعر اجتماعی ترقی کی بات کر رہا ہے یعنی معاشرے کا کوئی فرد بھی علم و ہنر میں پیچھے نہ رہے بلکہ سب درجہ کمال تک پہنچیں اور کوئی بھی فرد پریشان، اداس اور غمگین نہ ہو۔ بقول شاعر:

تہذیب و فن کا ہر کوئی شاہکار ہو دکھ درد کانہ کوئی یہاں پر شکار ہو